خاندان کی اصلاح

اور

اولاد کی تربیت

مولانا سیّد جلال الدین عمری

خاندان کی اصلاح اور اولاد کی تربیت

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

اس عاجز کا ایک کتابچہ 'آخرت کے عذاب سے خاندان کو بچائیے' دو مرتبہ طبع ہو چکا ہے۔ اب کی بار پریس جانے سے قبل اس میں کہیں کہیں لفظی اصلاح و ترمیم ہوئی ہے۔ اس میں اولاد کا ذکر ضمناً ہی آسکا ہے، اس لیے ایک اور مضمون 'اولاد کی تعلیم و تربیت: قرآن و حدیث کی روشنی میں' اس کے ساتھ شائع کیا جا رہا ہے۔ یہ مضمون چالیس سال سے زیادہ عرصہ گزرا، ماہ نامہ 'الفرقان' لکھنؤ کے فروری، مارچ ۱۹۷۵ء کے مشترکہ شمارہ میں شائع ہوا تھا۔ اس پر نظر ثانی ہوئی ہے، کہیں کہیں حذف و اضافہ ہوا ہے اور اس کے حوالوں کو درست کیا گیا ہے۔ برادرم ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی نے ان مضامین کی پروف ریڈنگ کی، ان میں ذیلی عنوانات کا اضافہ کیا اور اس کے مراجع کی فہرست تیار کی ہے۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے۔ خاندان کی اصلاح اور اولاد کی تعلیم و تربیت کے موضوع پر میں نے بعض دوسرے مضامین میں بھی بحث کی ہے۔ یہ مضامین رسائل میں موجود ہیں۔ ابھی تک کتابی شکل میں ان کی اشاعت نہیں ہو سکی ہے۔ البتہ 'بچے اور اسلام' کے عنوان سے ایک کتابچہ عرصہ سے شائع ہو رہا ہے۔ اس کا ہندی ترجمہ بھی دست یاب ہے۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ ان کوششوں کو بارآور اور مفید بنائے اور یہ اس عاجز کے لیے اخروی نجات کا ذریعہ ثابت ہوں۔

جلال الدین عمری

۴/اگست ۲۰۱۶ء

خاندان کی اصلاح

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ○
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ ﴿۲۱۴﴾ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۲۱۵﴾ فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۱۶﴾ وَ تَوَكَّلْ عَلَی الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ ﴿۲۱۷﴾ الَّذِیْ یَرٰىكَ حِیْنَ تَقُوْمُ ﴿۲۱۸﴾ وَتَقَلُّبَكَ فِی السّٰجِدِیْنَ ﴿۲۱۹﴾ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۲۲۰﴾

(الشعراء: ۲۱۴-۲۲۰)

اور اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو اللہ کے عذاب سے ڈرایئے۔ اور جو لوگ ایمان لاکر آپ کی اتباع کر رہے ہیں ان کے لیے اپنے بازو جھکا دیجیے (عاجزی سے پیش آیئے) جن کو آپ ڈرا رہے ہیں وہ اگر آپ کی نافرمانی کریں تو ان سے کہہ دیجیے کہ تم جو کچھ کر رہے ہو، میں اس سے بے زار ہوں۔ اس ذات پر بھروسہ کیجیے جو زبردست اور رحم فرمانے والا ہے جو آپ کو دیکھتا ہے جب آپ (نمازِ تہجد) کے لیے کھڑے ہوتے ہیں اور سجدہ کرنے والوں کے درمیان چلتے پھرتے ہیں۔ بے شک وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

قرآن وحدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ خاندان کے معاشی اور مادی حقوق بھی ہیں اور دینی و اخلاقی حقوق بھی۔ مادی حقوق کا ادا کرنا جس طرح ضروری ہے اسی طرح دینی ذمے داریوں کا ادا کرنا بھی ضروری ہے۔ چنانچہ جہاں یہ بات بتائی گئی ہے کہ بیوی کا حق پہچانو، بچوں کا حق پہچانو، وہیں یہ بات بھی کہی گئی ہے کہ ان کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ اور انھیں اس کا ایندھن نہ بننے دو۔

قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ..... (التحریم:۶)

اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے۔

بیوی بچوں ہی کے نہیں پورے خاندان کے حقوق ہیں۔ ماں باپ، بھائی بہن اور دور ونزدیک کے رشتہ دار اپنے حقوق رکھتے ہیں۔ ان حقوق کا ادا کرنا ضروری ہے۔

خاندان فتنہ نہ بننے پائے

اس کے ساتھ اس بات سے بھی آگاہ کیا گیا ہے کہ بیوی بچے اور اہل خاندان کہیں فتنہ نہ بن جائیں۔ بسا اوقات آدمی خاندان سے جذباتی تعلق کی بنا پر اس کی محبت اور حمایت میں اللہ تعالیٰ کے احکام اور ہدایات کو اور اس کے دین کے صریح تقاضوں کو فراموش کر دیتا اور اس کی معصیت کی راہ پر چل پڑتا ہے۔ اس سے بچنے کی شدید تاکید کی گئی اور اس کے برے انجام سے آگاہ کیا گیا ہے۔ سورۂ توبہ میں فرمایا گیا:

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ (التوبہ:۲۴)

ان سے کہہ دو کہ اگر تمھارے باپ، تمھارے بیٹے، تمھارے بھائی، تمھاری بیویاں اور تمھارے خاندان اور مال جو تم نے کمائے ہیں اور تجارت جس کے خسارے سے تم ڈرتے ہو اور مکانات جنھیں تم پسند کرتے ہو (یہ سب) تمھیں اللہ، اس کے رسول اور اس کے راستہ میں جہاد سے زیادہ محبوب ہیں تو انتظار کرو، یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم بھیج دے اور اللہ نافرمانوں کو راستہ نہیں دکھاتا۔

مطلب یہ کہ بیوی بچے، خویش واقارب اور خاندان کے لوگ، مال و دولت، کھیتی باڑی اور کاروبار اللہ کی محبت پر غالب آجائیں تو اللہ کے فیصلے میں بھی دیر نہیں لگے گی۔ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ (تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم نافذ کر دے) یہ الفاظ بڑے سخت اور ہر مسلمان کو چونکا دینے والے ہیں۔

خاندان کے بارے میں ایک صاحبِ ایمان کا رویہ کیا ہونا چاہیے؟

خاندان کے ساتھ جو رویہ ایک صاحبِ ایمان کا ہونا چاہیے، اسے کتاب وسنت میں بہت تفصیل سے بتا دیا گیا ہے۔ اگر کسی مسلمان کے اہلِ خاندان خدانخواستہ کفر وشرک میں مبتلا ہیں اور الحاد اور بے دینی کا شکار ہیں تو اس کا فرض ہے کہ انھیں کفر وشرک اور بے دینی سے نکالنے اور انھیں اللہ کا مطیع وفرماں بردار اور اس کا اطاعت گزار بنانے کی اپنی سی کوشش کرے۔ کسی کا کوئی عزیز یا رشتہ دار بیمار ہو جاتا ہے تو اسے فکر اور پریشانی لاحق ہو جاتی ہے، اس کے لیے وہ دوڑ دھوپ کرتا اور دوا دارو کی فکر کرتا ہے اور اپنا روپیہ پیسہ اور وقت صرف کرتا ہے۔ یہ ہونا ہی چاہیے۔ یہ اس عزیز کا حق ہے اور خدمت کرنے والے کی ذمہ داری ہے کہ اس کی خدمت کرے، اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اگر وہ کسی دینی اور اخلاقی مرض میں مبتلا ہے اور اس کے اندر کوئی اخلاقی روگ پایا جاتا ہے تو اس سے بھی اسے بچانے کی ممکن حد تک کوشش کی جائے۔ انبیاء علیہم السلام کا یہی اُسوہ ہے۔ وہ جس طرح دوسروں کو دین کی دعوت دیتے اور حق کی نصیحت کرتے ہیں اسی طرح اپنے اہل خاندان کو بھی دین کی دعوت دیتے اور اس کی اتباع کی نصیحت کرتے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ خاندان میں باپ، دادا، چچا، تایا اور دوسرے بڑے بزرگ بھی ہوتے ہیں۔ ان کی بزرگی بعض اوقات اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ ان کے فکر وعمل کی خامی واضح کی جائے یا ان کے غلط طور طریق اور طرزِ حیات پر تنقید کی جائے۔ یہ کہنا مشکل ہوتا ہے کہ وہ راہِ راست سے ہٹے ہوئے ہیں۔ اسی طرح خاندان میں بیوی، بچے، بھائی، بہن اور ایسے رشتہ دار بھی ہوتے ہیں جن سے غیر معمولی قربت اور جذباتی تعلق ہوتا ہے۔ یہ تعلق انھیں ان کی خامیوں پر ٹوکنے اور انھیں نصیحت کرنے نہیں دیتا اور ان پر راہِ راست واضح کرنے میں مانع ہوتا ہے۔

اللہ کے رسولوں کا اُسوہ

اللہ کے رسول، ان سب سماجی اور نفسیاتی رکاوٹوں پر غالب آتے ہیں اور خاندان کے چھوٹے بڑے ہر ایک پر بے کم وکاست حق واضح کرتے ہیں۔ وہ اپنے عمل سے ثابت کرتے

ہیں کہ باپ اور چچا کو، بیوی اور بچوں کو، خویش واقارب اور دور ونزدیک کے رشتہ داروں کو دین حق کے قبول کرنے اور راہِ راست اختیار کرنے کی دعوت دی جاسکتی ہے اور دی جانی چاہیے۔ یہ اللہ کا حکم ہے اور اس کی تعمیل میں کسی تعلق کو رکاوٹ نہیں بننے دینا چاہیے۔

اللہ کے رسولوں کی اس کوشش کے نتیجہ میں یہ بھی ہوا کہ خاندان کے افراد کو ایمان کی دولت ملی، انھوں نے دینِ حق قبول کیا، ان کی مخلصانہ اتباع اور پیروی کی، دعوت وتبلیغ کی جدوجہد میں ان کا ساتھ دیا اور بے مثال قربانیاں پیش کیں۔ اس کے ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ خاندان کے قریب ترین افراد نے اللہ کے رسولوں پر ایمان لانے سے انکار کردیا، ان کی شدید مخالفت کی اور بعض اوقات سخت تکلیفیں پہنچائیں اور بدترین دشمن ثابت ہوئے۔ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کو کفر وشرک ترک کرنے اور توحید اختیار کرنے کی دعوت دی، لیکن وہ اپنے کفر پر جمارہا اور ابراہیم علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف سے جو تکلیفیں اور اذیتیں پہنچیں ان سب میں اس کا ساتھ دیا۔ نوح علیہ السلام کی دعوت وتبلیغ کے باوجود آپ کی بیوی اور بیٹے نے آپ پر ایمان لانے اور آپ کی بتائی ہوئی راہ پر چلنے سے انکار کردیا۔ لوط علیہ السلام کی تمام تر دعوت ونصیحت کو ٹھکرا کر ان کی بیوی کفر وشرک کی روش پر جمی رہی اور اپنی بدکردار قوم کا ساتھ نہ چھوڑا۔ یہ اس امر کی دلیل ہے کہ اللہ کے رسولوں نے نتائج سے بے نیاز ہوکر اپنے خاندان میں دعوتِ حق کا فرض انجام دیا، ان کی دعوت قبول بھی کی گئی اور رد بھی ہوئی۔ جس کسی کو راہِ راست ملنی تھی اسے ملی اور جسے محرومِ ہدایت ہونا تھا وہ محروم ہوا، لیکن اللہ کے رسولوں نے بہرحال اپنا فرض انجام دیا، اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہوئے اور اللہ کے ہاں اجر عظیم کے مستحق قرار پائے۔

خاتم النّبیین حضرت محمد ﷺ نے یہی فرض انجام دیا

ٹھیک یہی معاملہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ پیش آیا۔ آپ سارے عالم کے لیے رسولِ برحق ہیں، قیامت تک کے لیے آپ کی رسالت ہے، اس کے ساتھ آپ کو حکم ہوا کہ جو

پیغام آپ دنیا کو دے رہے ہیں وہ اپنے رشتہ داروں تک بھی پہنچایئے اور انھیں اللہ کا دین قبول کرنے کی دعوت دیجیے۔ آپ کی جب بعثت ہوئی تو آپ کا خاندان بھی، آپ کی قوم بلکہ پوری دنیا کی طرح کفر وشرک میں مبتلا تھا، بے شمار خداؤں کو مانتا اور ان کی پرستش کرتا تھا۔ اللہ کے دین اور اس کی ہدایت ورہ نمائی سے بے خبر تھا۔ آپ سے کہا گیا وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴿۲۱۴﴾ 'اے اللہ کے رسول اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو ڈرایئے۔' قران مجید نے 'انذار' کا لفظ استعمال کیا ہے۔ انذار کے معنی ہیں کسی غلط اقدام پر تنبیہ کرنا اور غلط روی کے برے انجام سے آگاہ کرنا۔ کوئی شرابی ہے تو اسے بتایا جاتا ہے کہ شراب سے تمھاری صحت برباد ہو جائے گی۔ کوئی آدمی زنا اور بدکاری میں مبتلا ہے تو اسے بتایا جاتا ہے کہ یہ روش تجھے تباہ کر کے رکھ دے گی۔ یہ تنبیہ وتخویف دراصل انذار ہی کی ایک صورت ہے اور یہ مخاطب کے ساتھ بہت بڑی خیر خواہی ہے، لیکن جو شخص کفر وشرک میں مبتلا ہے اور اللہ کی معصیت میں گرفتار ہے وہ شرابی اور زانی سے زیادہ تباہی اور ہلاکت کے راستے پر چل رہا ہے۔ اسے اس کے برے انجام سے آگاہ کرنا حقیقی انذار ہے۔ یہ کام خاندان کے درمیان بھی ہونا چاہیے، بلکہ خاندان اس کا اوّلین مستحق ہے۔ قرآن مجید نے وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴿۲۱۴﴾ کے الفاظ میں اسی کی ہدایت فرمائی ہے۔ یعنی خاندان کے قریب ترین لوگوں کو ان کے اخروی انجام سے آگاہ کیجیے۔

رسول اللہ ﷺ نے آغازِ رسالت ہی سے جب کہ آپ پر پہلی وحی نازل ہوئی، خاندان کے جو لوگ آپ سے ذہن ومزاج کے لحاظ سے قریب تر تھے اور آپ کی بات سنجیدگی سے سن سکتے تھے، ان تک اللہ کا دین اور اس کا پیغام پہنچایا۔ اس کے نتیجے میں آپ کی زوجۂ محترمہ ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا، آپ کے چچازاد بھائی علی رضی اللہ عنہ جو آپ کے گھر کے فرد اور آپ کی اولاد کی طرح تھے اور آپ کے آزاد کردہ غلام زیدؓ جن کی حیثیت بھی گھر کے فرد کی تھی، آپ پر ایمان لے آئے۔ زیادہ زمانہ نہیں گزرا کہ آپ کے چچازاد بھائی جعفر رضی اللہ عنہ اور حمزہؓ اسلام کی آغوش میں آ گئے۔

آغازِ کار میں آپ کی یہ دعوت خاندان کے مخصوص افراد تک محدود تھی، عام نہیں تھی۔ سورۂ شعراء کی آیت وَاَنۡذِرۡ عَشِیۡرَتَکَ الۡاَقۡرَبِیۡنَ ﴿۲۱۴﴾ نازل ہوئی تو آپ نے اپنے پورے خاندان کو اللہ کے دین کی دعوت دی اور اس کے انکار اور مخالفت کے انجام سے آگاہ کیا۔

درحقیقت یہ بڑا نازک اور بڑا مشکل کام تھا کہ اپنے ہی خاندان والوں سے کہا جائے کہ وہ شرک کو چھوڑ کر عقیدۂ توحید قبول کریں، بے شمار خداؤں کی بندگی ترک کر کے خدائے واحد کی بندگی اختیار کریں۔ اس دنیا ہی کو اول و آخر نہ سمجھیں بلکہ آخرت پر ایمان لے آئیں اور یہ یقین رکھیں کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جائیں گے۔ اس دنیا میں جو کچھ کیا ہے اس وقت اس کا حساب کتاب ہوگا۔ بدکار برے انجام سے دوچار ہوں گے اور نیکوکار اپنے نیک اعمال کا بہتر اجر و ثواب پائیں گے۔ یہ مان کر چلیں کہ حیاتِ دنیا ناپائیدار ہے اور آخرت کی زندگی دائمی اور ابدی ہے اور اس کے مطابق اپنے طرزِ حیات کو بدلنے کے لیے تیار ہو جائیں۔ اس بات کو تسلیم کریں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، صحیح راستہ وہ ہے جو آپ دکھا رہے ہیں۔ اس کے علاوہ ہر دوسرا راستہ آدمی کو بھٹکا دے گا اور روز بروز وہ منزل سے دور ہوتا چلا جائے گا۔ آپ کی اس دعوت کو قبول کرنا آسان نہ تھا لیکن اس کے باوجود آپ نے یہ فرض انجام دیا۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے محسوس فرمایا کہ بڑی مشکل ذمہ داری آپ پر آن پڑی ہے۔ خاندان کی طرف سے اور قریب ترین افراد کی طرف سے اس کی مخالفت ہوسکتی ہے، لیکن اللہ کے فرشتے جبریل علیہ السلام نے کہا کہ آپ کو اس حکم پر لازماً عمل کرنا ہوگا، ورنہ اللہ کے ہاں باز پرس ہوگی۔ اس حکم کے آنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے صفا کی پہاڑی پر چڑھ کر قبیلے کی مختلف شاخوں میں سے ایک ایک کا نام لے کر انھیں جمع ہونے کی دعوت دی۔ اس پر سب ہی لوگ دوڑ پڑے، کوئی شخص کسی عذر یا بیماری کی بنا پر نہ پہنچ سکا تو اس نے اپنا نمائندہ بھیجا کہ جاؤ دیکھو کس لیے بلایا گیا ہے؟ جب سب لوگ جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا۔ میں اس چٹان پر کھڑا ہوں۔ اور اس جانب بھی دیکھ رہا ہوں اور اس جانب بھی۔ اگر میں کہوں کہ

پہاڑ کے اس طرف سے دشمن کی فوج آ رہی ہے اور تم پر حملہ آور ہونے والی ہے تو کیا تم میری بات پر یقین کرو گے؟ لوگوں نے کہا کیوں نہیں مَا جَرَّبنَا عَلَیکَ اِلَّا صِدقًا ''ہم نے آپ کی زبان سے ہمیشہ سچ ہی سنا ہے۔'' آپ نے فرمایا جب تم مجھے سچا مان رہے ہو تو سنو! میں دیکھ رہا ہوں کہ اللہ کا عذاب تمھاری طرف بڑھا چلا آ رہا ہے اس سے بچنے کی تدبیر کرو، مطلب یہ کہ تمھارا عقیدہ، تمھاری فکر، تمھارے اعمال، تمھارے اخلاق اور تمھاری تہذیب اللہ کے عذاب کو دعوت دے رہی ہے اور میں دیکھ رہا ہوں کہ اس کے نتیجے میں اللہ کا عذاب امنڈا چلا آ رہا ہے۔ اور میں تمھیں اس سے باخبر کر رہا ہوں۔ اس پر ابولہب نے جو آپ کا چچا تھا کہا اَ لِهٰذا جمعتنا تبًّا لک یا محمد ''اے محمد! کیا اسی بات کے لیے تم نے ہمیں جمع کیا تھا تم تباہ ہو جاؤ۔'' روایتوں میں آتا ہے اسی کے بعد سورۂ تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝ نازل ہوئی جس میں بتایا گیا کہ تباہی تو ابولہب کے حصہ میں آنے والی ہے۔ اس کے ہاتھ شل ہوں گے یعنی اس کی طاقت ختم ہو جائے گی۔ جس دولت اور اقتدار پر وہ ناز کر رہا ہے وہ اس کے کچھ کام نہیں آئے گا اور اس کی بیوی جو اس کا ساتھ دے رہی ہے وہ جہنم کا ایندھن اس کے لیے فراہم کر رہی ہے۔ وہ بھی جہنم میں جائے گی۔

اس سلسلے میں ایک اور واقعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اس آیت کے نزول کے بعد آپ نے مجھ سے کہا کہ تم ایک بکری ذبح کرو، ایک صاع گیہوں اس میں ملا کر پکاؤ اور ایک پیالے دودھ کا نظم کرو اور بنو عبد المطلب کو کھانے پر بلاؤ۔ چناں چہ آپ کی ہدایت کے مطابق میں نے دعوت کا انتظام کیا۔ لوگ آ گئے۔ آپ نے کھانے کی قاب یا سینی سے ایک بوٹی لی اور اسے تھوڑا سا کھا کر اس کے ٹکڑے قاب پر پھیلا دیے۔ اور لوگوں سے کہا بسم اللہ! آپ لوگ کھایئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ تقریباً چالیس تھے۔ ان میں سے بعض ایسے تھے کہ تنہا ایک شخص بکری کا ایک بچہ کھا سکتا تھا، لیکن اللہ نے کھانے میں اتنی برکت دی کہ سب نے سیر ہو کر کھایا اور یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کھانے میں کوئی کمی نہیں آئی ہے۔ آپ نے پیالے سے دودھ نوش فرمایا اور وہی پیالہ دوسروں کے سامنے پیش کیا گیا۔ سب نے دودھ

پیا، پھر بھی دودھ جوں کا توں پیالے میں باقی رہا۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد آپ کچھ ارشاد فرمانا چاہ رہے تھے کہ ابولہب نے جو وہاں موجود تھا کہا کہ اس شخص نے ہم پر جادو کر دیا ہے۔ مطلب یہ تھا کہ تھوڑا سا کھانا سامنے ہے اور وہ ختم ہی نہیں ہو رہا ہے۔ دودھ کے پیالے سے سب لوگ دودھ پی رہے ہیں اور وہ جوں کا توں باقی ہے۔ اس جادوگر سے کیا بات ہو سکتی ہے؟ اس پر مجلس ختم ہو گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا اس شخص نے مجھے بولنے نہیں دیا۔ ایک مرتبہ اور کھانے کا انتظام کرو اور خاندان عبدالمطلب کو بلاؤ۔ چناں چہ دوبارہ اس کا انتظام کیا گیا اور آپؐ نے ان کے سامنے اپنی بات رکھی۔ آپؐ نے فرمایا: اے بنو عبد المطلب! خدا کی قسم، میں نہیں جانتا کہ عرب کا کوئی نوجوان اپنی قوم کے پاس اس سے بہتر چیز لایا ہو جو میں لایا ہوں۔ میں تمھارے لیے دنیا اور آخرت کی بھلائی لے کر آیا ہوں۔

ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے خاندان والوں کے درمیان انذار کا فرض کوہِ صفا کی بلندی سے بھی انجام دیا۔ اور گھر پر بلا کر بھی انھیں اللہ کے عذاب سے ڈرایا تھا۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خاندان کے جو لوگ ایمان لے آئے تھے انھیں بھی آپ اللہ کی پکڑ اور اس کے عذاب سے بچنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔ چناں چہ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: ”اے اہل قریش! اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ، اے بنو کعب! اپنے آپ کو آگ سے بچاؤ، اے بنو ہاشم اپنے آپ کو آگ سے بچاؤ، اے بنو عبدالمطلب اپنے آپ کو آگ سے بچاؤ، اے صفیہ! رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی اور اے فاطمہ! رسول اللہ کی بیٹی اپنے آپ کو آگ سے بچاؤ، میں اللہ کے یہاں تمھارے کچھ بھی کام نہیں آ سکتا۔ تم میرے مال میں سے جو چاہو طلب کر سکتی ہو، میں دوں گا لیکن وہاں تمھاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔“[1]

مطلب یہ ہے کہ تم یہ نہ سمجھو کہ تم اللہ تعالیٰ کے رسول یا اس کے خاندان سے تعلق رکھنے کی وجہ سے وہاں کی پکڑ سے محفوظ رہو گے۔ اس کے لیے ہر ایک کو خود اپنی فکر کرنی ہوگی۔

---

[1] علامہ ابن کثیر نے یہ تمام روایات اپنی تفسیر میں سورۂ شعراء کی آیت وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴿۲۱۴﴾ کے تحت جمع کر دی ہیں۔ جلد ۳، ص ۳۴۹-۳۵۲، دارالمعرفۃ، لبنان ۱۹۶۹ء

مخالفین سے اظہارِ برأت

اہلِ خاندان کے درمیان انذار کا حکم دینے کے بعد اللہ نے فرمایا اہل ایمان کے ساتھ آپ کا رویہ ہم دردی اور لطف و محبت کا ہونا چاہیے، وہ آپ سے قربت محسوس کریں۔ اگر انذار کی اس کوشش کے نتیجے میں اہلِ خاندان آپ کی بات نہ مانیں اور آپ جو پیغام دے رہے ہیں اسے قبول نہ کریں تو آپ صاف صاف بتا دیجیے تمھارا جو طرزِ فکر اور طریقۂ حیات ہے، میرا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں نے اللہ کی عبادت اور اطاعت کا راستہ اختیار کیا ہے۔ اگر آپ کی مخالفت ہو رہی ہے تو اللہ پر بھروسہ رکھیے۔ وہ آپ کی نماز کو اور آپ کی مناجات کو دیکھ رہا ہے، جس طرح آپ کے ساتھی راتوں میں اٹھ اٹھ کر اس کی عبادت کرتے ہیں اور جس طرح ان کی تربیت کی آپ کو فکر ہے۔ آپ ان کے درمیان جو تگ و دو کر رہے ہیں ان سب باتوں کا علم، اللہ کو ہے وہ آپ کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑے گا۔

ان آیات میں قرابت داروں کے درمیان انذار کا حکم بھی ہے اور ان کی مخالفت پر صبر و ثبات اور توکل کی ہدایت بھی ہے۔ اس عظیم ذمہ داری کو ادا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے تعلق بڑھانے اور نماز کی پابندی کی ہدایت کی گئی ہے۔ قرآن و حدیث کی جن تعلیمات کو ہم نے بالکل فراموش کر دیا ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اللہ نے اہلِ خاندان کی اصلاح و تربیت اور انھیں اس کے عذاب سے ڈرانے کا جو حکم دیا تھا اس کی طرف ہماری توجہ نہیں رہی۔ ہم اہلِ خاندان کی مادی تکالیف میں کام آتے ہیں اور ان کے دکھ درد میں شریک بھی ہوتے ہیں مگر ان کی دینی و اخلاقی اصلاح کی طرف توجہ نہیں ہوتی۔ اگر اس پر عمل ہو تو ہمارے خاندانوں کا نقشہ بدل جائے گا اور آج کے دور میں لوگ اسے مثالی خاندان کی حیثیت سے دیکھنے پر مجبور ہوں گے۔

اولاد کی تعلیم وتربیت
قرآن وحدیث کی روشنی میں

اسلام کے نزدیک اس کے ماننے والوں کی یہ ایک اہم ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے بیوی بچوں کو علم سے آراستہ کریں، صحیح تربیت دیں اور ان کے دین واخلاق کی نگرانی کرتے رہیں۔ قرآن مجید اور احادیث میں اس ذمہ داری کو بہت شدت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور اس پر بڑا زور دیا گیا ہے۔ اسلام نے بیوی اور بچوں کی معاشی کفالت کے ساتھ ان کی دینی اور اخلاقی اصلاح کو بھی فرض قرار دیا ہے، اس لیے کہ انسان صرف غذا، لباس، مکان اور دوا دارو ہی کا محتاج نہیں ہے، بلکہ اس کو صحیح فکر، اعلیٰ اخلاق، نیکی اور تقویٰ اور تہذیب وشائستگی کی بھی ضرورت ہے۔ یہ اس کے ساتھ بہت بڑی زیادتی ہوگی کہ اس کی مادی ضرورتیں تو پوری کردی جائیں اور اس کو صحیح تعلیم وتربیت سے محروم رکھا جائے۔ قرآن کا صریح حکم ہے:

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا..... (التحریم:٦)

اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے بال بچوں کو (جہنم کی) آگ سے بچاؤ۔

جہنم سے نجات پانا اور جنت کا مستحق قرار پانا کھیل نہیں ہے، اس کے لیے بہت ہی طویل راستہ طے کرنا پڑتا ہے۔ یہ ایسا سفر ہے جس کا آغاز اس وقت ہوتا ہے جب انسان شعور کی منزل میں قدم رکھتا ہے اور اس وقت تک یہ سفر جاری رہتا ہے، جب تک کہ لمحاتِ حیات ختم نہیں

ہوجاتے۔ اس میں اس کو زندگی بھر ایک متعین راستے پر چلنا پڑتا ہے، کچھ اصول و آداب کی پابندی کرنی ہوتی ہے، کچھ چیزوں کو چھوڑنا اور کچھ چیزوں کو اختیار کرنا پڑتا ہے۔ یہ پورا عمل، جسے انسان جہنم سے بچنے کے لیے ضروری تصور کرتا ہے، قرآن مجید کی ہدایت ہے کہ اپنے بیوی بچوں کے سلسلہ میں بھی اسے ناگزیر سمجھے اور اس کا ان کو پابند بنائے۔ چناں چہ تفسیروں میں آتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت فرمایا کہ ہم اپنے اہل وعیال کو جہنم سے کیسے بچائیں؟ آپ نے فرمایا: ''جن باتوں سے اللہ نے تمھیں منع کیا ہے ان سے تم ان کو منع کرو اور جن باتوں کا اس نے تمھیں حکم دیا ہے ان کا تم ان کو حکم دو۔ یہ چیز ان کے جہنم سے بچنے کا ذریعہ بن جائے گی۔''[1]

قرآن مجید اور احادیث میں بیوی اور بچوں کی اصلاح و تربیت پر ایک ساتھ بھی زور دیا گیا ہے اور الگ الگ بھی۔ اس مضمون میں اس بات کی گنجائش نہیں ہے کہ ان دونوں طرح کی تعلیمات کو پیش کیا جائے۔ یہاں قرآن و حدیث کی صرف ان ہدایات اور اس کے دیے ہوئے اشارات کو پیش کرنے کی کوشش کی جارہی ہے جن کا تعلق خاص طور پر اولاد کی تعلیم و تربیت سے ہے۔

اولاد کی خواہش، اعلیٰ مقصد کے لیے

عام طور پر اولاد کو بڑھاپے کا سہارا سمجھا جاتا ہے۔ دولت و ثروت، عیش و راحت اور فخر و مباہات کا ذریعہ تصور کیا جاتا ہے، اسی لیے اولاد کی خواہش بھی کی جاتی ہے۔ جب ان مقاصد کو پورا کرنے والی اولاد مل جاتی ہے تو آدمی دنیا والوں کے درمیان اتراتا پھرتا ہے، اپنی قوت و طاقت اور سیادت کا مظاہر کرتا ہے اور اپنے حریفوں کو زک دینے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ سب بہت چھوٹے اور سطحی مقاصد ہیں۔ قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے

---

(۱) آلوسی، روح المعانی: ۲۷/ ۱۵۶

پیغمبروں میں بھی اولاد کی طلب پائی جاتی تھی اور وہ اس کے لیے دعائیں بھی کرتے تھے، لیکن ان کی طلب اور تمنا ان حقیر اور ادنیٰ مقاصد کے لیے نہیں ہوتی تھی، جن مقاصد کے لیے دنیا والے آرزوئیں کرتے ہیں۔ وہ ایک اعلیٰ اور ارفع مقصد کے حامل ہوتے ہیں اور یہی ایک مقصد ہمیشہ ان کے سامنے ہوتا ہے۔ اولاد کی طلب بھی ان کے اندر اسی مقصد کے لیے پائی جاتی ہے۔

حضرت زکریا علیہ السلام کو دیکھیے کہ اولاد کے نہ ہونے کا غم ہے، لیکن بڑھاپا طاری ہے۔ عمر کے اس مرحلے میں داخل ہو چکے ہیں کہ اولاد کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ بیوی بھی سن یاس کو پہنچ چکی ہے، پھر بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہیں ہیں۔ چپکے چپکے اور آہ وزاری کے ساتھ دعا فرماتے ہیں:

فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۙ يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ۝ (مریم: ۵،۶) تو مجھے اپنے پاس سے ایک جانشین عطا فرما، جو میرا بھی وارث ہو اور آل یعقوبؑ کا بھی اور اس کو اے میرے رب! پسندیدہ انسان بنا۔

حضرت زکریاؑ کے دل میں اولاد کی تمنا اور آرزو موج زن ہے۔ اس لیے نہیں کہ وہ ان کے مال و دولت اور جائیداد کی وارث بنے اور ان کے کاروبار اور تجارت یا کارخانہ چلائے، یا یہ کہ وہ اس کے ذریعہ اپنی شان و شوکت کا مظاہرہ کریں اور اپنے تفوق اور برتری کا لوہا دوسروں سے منوائیں، بلکہ اس لیے کہ حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسحٰقؑ اور حضرت یعقوبؑ سے دین کی جو دولت ان کو ملی ہے، جس پیغام کے وہ امین ہیں اور دعوت و تبلیغ کا جو فرض وہ انجام دے رہے ہیں، اس کو ان کے بعد انجام دے، بڑھاپے میں دین کی خدمت کا جو بوجھ وہ اٹھائے ہوئے ہیں، اس کا حامل ہو اور اسی دھن اور جذبہ کے ساتھ وہ کام کرے جو کام وہ خود کر رہے ہیں اور جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو نبوت سے سرفراز فرمایا ہے۔

ظاہر ہے، اس کام کے لیے سب سے بڑی شرط یہ ہے کہ آدمی میں تقویٰ اور خدا ترسی پائی جائے، وہ نیک اور صالح اور پسندیدہ اطوار اور خوش خلق ہو۔ اس لیے کہ بدکار اور بداخلاق

انسان، چاہے اس میں دنیوی لحاظ سے کتنی ہی دوسری خوبیاں اور کمالات کیوں نہ ہوں، اس کام کا اہل نہیں ہوسکتا۔ اس وجہ سے حضرت زکریاؑ کی دعا یہ ہے کہ:

رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۸﴾ (آل عمران: ۳۸)

اے میرے رب! مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرما، بے شک تو دعا کا سننے والا ہے۔

جس اولاد کی تمنا ہے اس کے لیے دولت وثروت، شان وشوکت، دنیوی عزوجاہ کسی چیز کی درخواست اور التجا نہیں ہے، بلکہ دعا یہ ہے کہ جو اولاد مجھے ملے وہ فکر وعمل اور سیرت وکردار کی نجاستوں سے پاک ہو، وہ شستہ اخلاق اور شائستہ کردار ہو اور اس کی خصلتیں پاکیزہ ہوں۔ حضرت زکریاؑ کی یہ دعا مقبول ہوئی اور ان کو حضرت یحیٰؑ عطا کیے گئے۔ قرآن مجید نے ان کی خوبیوں کا ذکر ایک جگہ ان الفاظ میں کیا ہے:

يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ۭ وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ﴿۱۲﴾ وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ۭ وَكَانَ تَقِيًّا ﴿۱۳﴾ وَّبَرًّۢا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ﴿۱۴﴾

(مریم: ۱۲-۱۴)

ہم نے کہا: اے یحیٰ! اللہ کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑو۔ ہم نے اسے بچپن ہی میں سوجھ بوجھ اور قوتِ فیصلہ سے نوازا تھا اور اپنی طرف سے نرم دلی اور پاکیزگی عطا کی تھی اور وہ پرہیزگار اور اپنے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے والا تھا اور سرکش اور نافرمان نہ تھا۔

یہ اس نیک اولاد (حضرت یحیٰ) کی صفات ہیں جو حضرت زکریا علیہ السلام کو عطا کی گئی تھیں۔ ان کی کچھ مزید صفات ایک اور جگہ اس طرح بیان ہوئی ہیں:

مُصَدِّقًۢا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۳۹﴾

(آل عمران: ۳۹)

وہ اللہ کے ایک کلمہ کی تصدیق کریں گے (حضرت عیسیٰ کے بے باپ پیدا ہونے کی تصدیق) وہ سردار ہوں گے، پاک باز ہوں گے، نبی ہوں گے اور صالحین میں ان کا شمار ہوگا۔

ایک جگہ ان دونوں باپ بیٹے (حضرت زکریا اور حضرت یحیٰ) کا ذکر ان الفاظ میں ہوا ہے:

اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَ يَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّ رَهَبًا ۭ وَ كَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ۞ (الانبیاء:۹۰)	وہ نیکی کے کاموں میں سبقت کرتے تھے اور ہمیں رغبت اور شوق اور خوف (کے ملے جلے جذبات) کے ساتھ پکارتے تھے اور ہمارے آگے سر جھکائے ہوئے تھے۔

حضرت یحییٰؑ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر بنائے گئے، ان کو معاملات کی بصیرت اور فیصلہ کی قوت عطا کی گئی اور دل سوزی، تقویٰ اور طہارت، والدین کے ساتھ حسنِ سلوک، پاک بازی اور دینی واخلاقی سیادت اور سرفرازی سے نوازا گیا۔ حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ دونوں اللہ تعالیٰ کے رسول تھے۔ اب رسالت کا سلسلہ بند ہو چکا ہے، لہٰذا اب کسی کو یہ منصب حاصل نہیں ہوسکتا۔ اس ایک پہلو سے قطع نظر اوپر کے بیانات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایک صالح باپ کے اندر کس قسم کی اولاد کی تمنا ابھرتی ہے؟ اور وہ کس مقصد کے لیے اولاد کا طلب گار ہوتا ہے؟ پھر یہ کہ اللہ تعالیٰ انسان کی اولاد کو کن اعلیٰ صفات سے متصف دیکھنا چاہتا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کی پیرانہ سالی ہے۔ بیوی بھی سن یاس کو پہنچ چکی ہے۔ فرشتوں نے حضرت اسحٰقؑ اور ان کے بعد حضرت یعقوبؑ (بیٹے اور پوتے کی بشارت دی) اس پر ان کی بیوی سارہ نے تعجب کا اظہار کیا:

يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَ اَنَا عَجُوْزٌ وَّ هٰذَا بَعْلِيْ شَيْخًا ۭ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ ۞ قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ (ھود:۷۲،۷۳)	ہائے میری شامت، کیا میں بچہ جنوں گی جب کہ میں ایک بڑھیا ہوں اور میرے شوہر بھی بوڑھے ہیں۔ یہ تو عجیب سی بات ہوگی۔ اس پر فرشتوں نے کہا: کیا اللہ کے فیصلہ پر تعجب کر رہی ہو؟ (اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کوئی چیز بعید نہیں)۔

یہ اس بات کا اعلان تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مشن حضرت اسحٰقؑ اور ان کے بعد حضرت یعقوبؑ جاری رکھیں گے۔ اللہ کے رسول اسی کے لیے اولاد کی تمنا بھی کرتے تھے اور اسی کے لیے انہیں اولاد عطا بھی کی جاتی تھی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آتشِ نمرود سے صحیح سالم نکلنے کے بعد عراق چھوڑ دینے

کا فیصلہ کیا۔ اس وقت دعا فرماتے ہیں:

رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿١٠٠﴾ اے میرے رب! اولاد عطا فرما جو صالحین میں
(الصّٰفّٰت:١٠٠) سے ہو۔

مطلب یہ تھا کہ عراق والوں نے میری دعوت رد کردی ہے۔ اب اسے جاری رکھنے کے لیے ایسی اولاد دے، جس کا شمار صالحین میں ہو۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ﴿١٠١﴾ (الصّٰفّٰت:١٠٠) ہم نے اس کو خوش خبری دی ایک بردبار لڑکے کی۔

اس کے نتیجے میں حضرت اسمٰعیلؑ پیدا ہوئے۔ ان کی صفت 'حلیم' بیان ہوئی ہے۔ 'حلم' ضبط نفس، قوت برداشت اور بردباری کا نام ہے، جو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی نمایاں خوبی تھی۔ ابھی وہ کم عمر ہی تھے، چلنے پھرنے کے قابل ہوئے تو حضرت ابراہیمؑ نے ان سے کہا کہ وہ انہیں اللہ کی راہ میں قربان کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت اسمٰعیلؑ فوراً اس کے لیے تیار ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس سے باز رکھا اور ایک مینڈھے کو ذبح کرنے کا حکم دیا۔ پھر خانۂ کعبہ کی تعمیر ہوئی، اسے توحید کا مرکز بنانے اور اسے آباد رکھنے میں وہ حضرت ابراہیمؑ کے معاون رہے۔ ان کے مقصد کو پورا کرنے کے لیے انہوں نے وادی غیر ذی زرع کو اپنا مسکن بنایا۔ ان ہی کی نسل سے بعد میں رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی۔

غیر صالح اولاد سے دوری اختیار کی جائے

اگر اولاد صالح اور خداترس نہ ہو تو چاہے وہ پیغمبر ہی کی اولاد کیوں نہ ہو اسلام اسے کوئی اہمیت نہیں دیتا اور اس بات کو پیغمبر کی شان کے منافی سمجھتا ہے کہ اسے اپنی طرف منسوب کرے۔ حضرت نوحؑ کا بیٹا جب اپنی نافرمانی کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کے عذاب کی زد میں آنے لگا تو حضرت نوحؑ نے دعا فرمائی. خدایا! تو نے وعدہ فرمایا ہے کہ مجھے اور میرے خاندان کو اپنے عذاب سے محفوظ رکھے گا، لہٰذا میرے بچے کو اس عذاب سے بچالے۔ اس دعا کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قَالَ يٰنُوۡحُ اِنَّهٗ لَيۡسَ مِنۡ اَهۡلِكَ‌ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيۡرُ صَالِحٍ ‌ۖ فَلَا تَسۡـَٔلۡنِ مَا لَيۡسَ لَكَ بِهٖ عِلۡمٌ‌ ؕ اِنِّىۡۤ اَعِظُكَ اَنۡ تَكُوۡنَ مِنَ الۡجٰهِلِيۡنَ ﴿۴۶﴾

اے نوح! وہ تیرے گھر والوں میں نہیں ہے، وہ تو ایک غیر صالح عمل ہے اس لیے تم مجھ سے ایسی بات کا سوال نہ کرو جس کا تمہیں علم نہیں ہے۔ میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ تم جاہل نہ بنو۔ (ہود:۴۶)

اس پر حضرت نوحؑ اللہ تعالیٰ سے معافی کے طلب گار ہوئے کہ اے میرے رب اگر تو میری مغفرت نہ کرے اور مجھ پر رحم نہ فرمائے تو میں نامراد ہو کر رہ جاؤں گا۔ (ہود:۴۷)

اولاد کو نصیحت

اولاد کی تعلیم و تربیت جس نہج پر ہونی چاہیے اسے قرآن مجید نے اس نصیحت کے ذریعہ واضح کیا ہے جو حضرت لقمانؑ نے اپنے بیٹے کو کی تھی۔ اس نصیحت میں سب سے پہلے شرک سے اجتناب اور اللہ واحد کی بندگی کی تعلیم ہے، اسی ضمن میں ماں باپ کے حقوق اور ان کی اطاعت کے حدود واضح کیے گئے ہیں، پھر حضرت لقمانؑ نے آخرت کا تصور پیش کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر زندگی گزارنے کی تلقین کی ہے، نماز کی تاکید فرمائی ہے جو اللہ تعالیٰ سے تعلق کا بہترین ذریعہ ہے۔ دعوت و تبلیغ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا حکم دیا ہے اور اس میں ثابت قدمی کی ہدایت کی ہے۔ آخر میں اخلاق، تہذیب اور شرافت کی بڑے موثر انداز میں تعلیم دی ہے۔ (لقمان: آیات ۱۳ تا ۱۹)

اسی طرح حضرت ابراہیمؑ کی اس نصیحت میں بھی اس کے خطوط ملتے ہیں جو انہوں نے اپنی اولاد کو کی تھی اور جس پر قائم رہنے اور عمل کرنے کی قرآن مجید نے تاکید کی ہے:

وَمَنۡ يَّرۡغَبُ عَنۡ مِّلَّةِ اِبۡرٰهٖمَ اِلَّا مَنۡ سَفِهَ نَفۡسَهٗ‌ ؕ وَلَقَدِ اصۡطَفَيۡنٰهُ فِى الدُّنۡيَا ‌ۚ وَاِنَّهٗ فِى الۡاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيۡنَ ﴿۱۳۰﴾ اِذۡ قَالَ لَهٗ

اور کون ہے جو ابراہیم کے دین سے نفرت کرے، سوائے اس کے جو حماقت میں مبتلا ہو۔ ہم نے اس کو دنیا میں منتخب کیا تھا اور آخرت میں اس کا شمار صالحین میں ہوگا۔ اس وقت کا تصور کرو جب اس کے رب

رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَوَصّٰى بِهَاۤ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَ يَعْقُوْبُ ؕ يٰبَنِىَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ (البقرۃ: ۱۳۰-۱۳۲)

نے اس سے کہا تھا کہ سر جھکادو تو اس نے کہا: میں نے رب العالمین کے سامنے سر جھکادیا۔ ابراہیم نے اسی کی وصیت اپنے بیٹوں کو کی تھی اور یعقوب کی بھی یہی نصیحت اپنی اولاد کو تھی کہ اے میرے بیٹو! اللہ نے تمہارے لیے اسی دین (اسلام) کو پسند کیا ہے، لہٰذا مرتے دم تک اسی کے مطیع فرمان رہو۔

یہی آخری نصیحت حضرت یعقوب کی اپنی اولاد کو تھی:

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِىْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَ اِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚۖ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۳﴾ (البقرہ: ۱۳۳)

کیا تم اس وقت موجود تھے جب کہ یعقوب کی موت کا وقت آیا۔ اس نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کروگے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم اسی اللہ واحد کی عبادت کریں گے جو آپ کا بھی معبود ہے اور آپ کے باپ دادا ابراہیم، اسماعیل اور اسحٰق کا بھی معبود رہا ہے اور ہم سب اسی کے اطاعت گزار ہیں۔

اس میں اس بات کی ہدایت اور راہ نمائی ہے کہ اولاد کو جس بات کی وصیت اور تاکید کی جاتی رہنی چاہیے وہ یہ ہے کہ وہ اللہِ واحد کو مانے، اس کی مطیع وفرماں بردار بن جائے، زندگی کی آخری سانس تک اس کی اطاعت وغلامی پر ثابت قدم رہے اور اللہ کے رسولوں اور صالحین کے نقشِ قدم پر چلے۔

اس سے اس کا بھی پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول اولاد کس لیے چاہتے تھے؟ ان کو کس قسم کی تعلیم وتربیت دیتے تھے؟ کن باتوں کی تاکید اور نصیحت فرماتے رہتے تھے؟ اور کس مقصد کے لیے ان کو تیار کرتے تھے؟

اولاد کی تعلیم وتربیت کی تاکید- احادیث میں

احادیث میں بھی اولاد کی تعلیم وتربیت کی تاکید کی گئی ہے اور اس پر بڑا زور دیا گیا

ہے۔ مشہور حدیث کا فقرہ ہے:

الرجل راع علی أهل بیته و هو مسئول عن رعیته، والمرأة راعیة علٰی بیت زوجها وولده و هی مسئولة عنهم[۱]	آدمی اپنے گھر والوں کا نگراں ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں (اللہ کے ہاں) پوچھا جائے گا۔ عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کے بچوں کی نگراں ہے اس سے ان کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

یہ بہت جامع الفاظ ہیں۔ ان کے مفہوم میں بچوں کی مادی ضرورتوں کو پورا کرنا اور ان کے دین و اخلاق کو سنوارنا دونوں ہی باتیں داخل ہیں۔ شریعت کی رو سے والدین اولاد کے سرپرست اور نگراں ہیں۔ ان کو اللہ تعالیٰ کے ہاں اولاد کے بارے میں جواب دینا ہوگا۔ ان کی ذمہ داری صرف یہی نہیں ہے کہ ان کی مادّی ضروریات پوری کریں، بھوک پیاس، برہنگی اور مرض سے اپنی اولاد کی حفاظت کریں، بلکہ یہ بھی ان کے فرائض میں شامل ہے کہ ان کو بے دینی اور جہالت سے بچائیں، تہذیب وشائستگی سے آراستہ کریں اور ان کی تعلیم وتربیت کا انتظام کریں۔ والدین اگر اولاد کو صحیح راہ پر لے چلیں گے تو اللہ کے ہاں اجر وثواب کے مستحق ہوں گے، اور اگر انھوں نے اس میں کوتاہی کی اور ان کو سیدھی راہ سے بھٹکا دیا یا ان کو بھٹکتے چھوڑ دیا تو ان سے اس کے متعلق سخت باز پرس ہوگی۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ اپنے بچے کو ادب سکھاؤ، کیوں کہ تم سے اس کے بارے میں قیامت کے دن پوچھا جائے گا کہ تم نے اس کو کیا ادب سکھایا اور کیا تعلیم دی؟ جس طرح اس سے یہ سوال ہوگا کہ اس نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا اور تمہاری کتنی اطاعت کی؟[۲]

اس دنیا میں ہر شخص اپنی اولاد کو خوش حال دیکھنا چاہتا ہے، اس کے لیے وہ کوشش بھی کرتا ہے اور جہاں تک ہو سکے، ان کی آسائش وراحت کے لیے مال ودولت اور مادی اسباب و

---

۱ بخاری: کتاب الاحکام، باب قول اللہ تعالیٰ اطیعوا اللّٰه و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم۔ مسلم: کتاب الامارۃ، باب فضیلۃ الامام العادل ۲ ابن قیم الجوزیۃ: تحفۃ الودود باحکام المولود، صفحہ ۱۳۴

وسائل فراہم کرتا ہے۔ یہ جائز حدود میں غلط نہیں ہے۔ لیکن اس سے زیادہ قیمتی چیز یہ ہے کہ اولاد کے دین واخلاق کو سنوارا جائے، ان کو صحیح تعلیم وتربیت دی جائے اور ان کو اس قابل بنایا جائے کہ ہوش سنبھالنے کے بعد وہ اسلام کے مطابق اپنی زندگی بسر کرسکیں۔ یہی بات ایک حدیث میں ان الفاظ میں کہی گئی ہے:

ما نحل والدٌ ولدًا من نحل أفضل من ادب حسن [۱] کسی باپ نے اپنے بچے کو اچھے ادب سے بہتر کوئی عطیہ نہیں دیا۔

ایک دوسری روایت ہے:

لِان یؤدب الرجل ولده خیر له من ان یتصدق بصاع [۲] آدمی اپنے بچے کو (ایک) ادب سکھائے یہ عند اللہ اس سے بہتر ہے کہ ایک صاع صدقہ کرے۔

اولاد کی تربیت کے سلسلے میں یہ بہت ضروری ہے کہ ان کے ساتھ بہترین اخلاقی رویہ اختیار کیا جائے۔ اس لیے کہ اخلاق اور تہذیب وشرافت سے انسان میں اعلیٰ اخلاقی قدریں ابھرتی ہیں اور اس کی انسانیت کی نشو ونما ہوتی ہے۔ بچے کی غلطیوں اور خامیوں کو دیکھ کر بعض اوقات سخت گیر اور بدمزاج والدین ان کے خلاف شدید نفرت اور حقارت کا مظاہرہ کرنے لگتے ہیں اور اس طرح سلوک کرنے لگتے ہیں جیسے وہ بالکل ناقابل اصلاح ہیں۔ اصلاح اور تربیت کے نقطۂ نظر سے یہ بہت ہی غلط رویہ ہے۔ اس سے بچے کی عزتِ نفس مجروح ہوتی ہے اور وہ یہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ اس کو ذلیل ورسوا کیا جارہا ہے۔ بچے کا یہ احساس اس کی سیرت کو تباہ کرکے رکھ دیتا ہے، اس کی فطری خوبیاں اور اعلیٰ حوصلے دب جاتے ہیں اور وہ احساس کم تری میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ اسی وجہ سے احادیث میں والدین کو اولاد کے ساتھ شریفانہ رویہ اختیار

---

۱ مسند احمد: ۳/ ۴۱۲۔ ترمذی: ابواب البر والصلۃ، باب ادب الولد۔ قال الترمذی: وہذا عندی حدیث مرسل

۲ ترمذی: ابواب البر والصلۃ، باب ادب الولد۔ مسند احمد: ۹۶۱۵، ۱۰۲۔ مسند احمد میں صاع کی جگہ 'نصف صاع' کا لفظ آیا ہے۔ اس لفظی اختلاف سے قطع نظر حدیث سنداً کم زور ہے۔

کرنے کا حکم دیا گیا ہے، تاکہ وہ یہ سمجھے کہ اس کے بہی خواہ اور سرپرست اس کو باعزت مقام دے رہے ہیں اور وہ اس قابل ہے کہ معاشرہ میں بہترین کردار انجام دے سکے۔ یہ چیز معمولی نہیں ہے، بلکہ اس سے بچے کے اندر اوپر اٹھنے کا حوصلہ پیدا ہوتا ہے اور اس کی فطری خوبیاں اور کمالات ابھرنے لگتے ہیں۔ اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ یہ رویہ انتہائی مفید ہونے کے ساتھ اس میں ذراسی بے احتیاطی بچے کو غلط راہ پر بھی ڈال سکتی ہے، وہ نافرمان، بے ادب اور متکبر ہوسکتا ہے، اس میں بڑوں کی نصیحت کو قبول نہ کرنے کا جذبہ بھی ابھر سکتا ہے۔ اس لیے بچے کو ایک طرف تو عزت واحترام کی نظر سے بھی دیکھا جائے اور دوسری طرف اس کی اصلاح وتربیت سے غفلت بھی نہ برتی جائے، اس کے اندر اچھے اخلاق وعادات پیدا کرنے کی کوشش کی جائے اور برائیوں اور غلط کاموں سے بچانے کی فکر کی جائے۔ یہی بات ایک حدیث میں اس طرح کہی گئی ہے:

أكرموا أولادكم و أحسنوا ادبهم[1] — اپنی اولاد کی عزت کرو اور ان کو اچھا ادب سکھاؤ۔

اولاد پر بے جا سختی پسندیدہ نہیں

اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ انسانوں کی اصلاح، تذکیر وتفہیم اور نصیحت وتبلیغ سے کی جائے اور سختی کا رویہ اس وقت اختیار کیا جائے جب نصیحت وتبلیغ سے اصلاح کا امکان نہ ہو اور فساد اور بگاڑ کا اندیشہ پیدا ہو جائے۔ اس اصول کے تحت بچے کی تعلیم وتربیت بھی نرمی، لطف و محبت ہی کے ذریعہ ہونی چاہیے اور ضرورت سے زیادہ سختی اور تشدد سے پوری طرح اجتناب کرنا چاہیے۔ سختی سے انسان کو کچھ باتوں کا عارضی طور پر تو پابند بنایا جاسکتا ہے، لیکن اس کے ذہن و فکر کو بدلا نہیں جاسکتا۔ بے جا سختی اور تشدد سے انسان کی نفسیات اور مزاج پر بڑے خراب اثرات پڑتے ہیں اور اس کے اندر شدید ردعمل ابھرنے لگتا ہے۔ اس سے اصلاح کے بجائے فساد کا خطرہ رہتا ہے۔

---

[1] ابن ماجہ، ابواب الادب، باب برالولد والاحسان الی البنات۔ قال المناوی: فیہ نکارۃ وضعف...... التیسیر بشرح الجامع الصغیر: ۱/ ۲۰۳

علامہ ابن خلدون نے اس موضوع پر بڑی اچھی بحث کی ہے کہ سختی سے بچے کے اندر کس قسم کا ردعمل ابھرتا ہے؟ وہ کہتے ہیں کہ بچے کے اندر نشاط اور تازگی اسی وقت تک باقی رہتی ہے، جب تک کہ اس کے ساتھ محبت اور نرمی کا سلوک کیا جائے۔ سختی سے اس کے اندر انقباض کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ سست اور کاہل بن جاتا ہے۔ مار کے ڈر سے بچہ جھوٹ بولنے لگتا ہے، جو رفتہ رفتہ اس کی عادت بن جاتی ہے۔ اس کے علاوہ دوسری اخلاقی خرابیاں بھی اس کے اندر پیدا ہونے لگتی ہیں اور اعلیٰ اخلاق اور بہترین اوصاف و کمالات کا حصول اس کے لیے دشوار ہو جاتا ہے۔ لہٰذا استاد کو طالب علم کی تربیت کے سلسلہ میں اور باپ کو بچے کی تربیت کے سلسلہ میں سخت گیری نہیں کرنی چاہیے۔ ابو محمد بن زید کہتے ہیں کہ بچے کی تادیب کے لیے اس کو جسمانی سزا دینا ضروری ہو، تب بھی تین بار سے زیادہ نہیں مارنا چاہیے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ جس شخص کو شریعت ادب نہ سکھائے اللہ تعالیٰ اسے باادب نہ بنائے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ شریعت نے تادیب و تربیت کے جو حدود مقرر کر دیے ہیں وہ انسان کی اصلاح کے لیے کافی ہیں۔ اس کی نظر انسانی فطرت اور اس کے مصالح پر بہت گہری ہے۔ اس سے آگے بڑھ کر کسی کے ساتھ سختی کا رویہ اختیار کرنا اس کی حمیت کو ختم کرنا اور اسے ذلیل و رسوا کرنا ہے۔ [1]

رسول اللہ ﷺ کا اسوہ

رسول اکرم ﷺ نے بچوں کی تربیت ہمیشہ نصیحت اور فہمائش کے ذریعہ کی۔ اگر ان سے کبھی غلطی کا صدور ہوا تو پیار اور محبت سے بتایا کہ وہ غلطی کر رہے ہیں اور انہیں اس سے اجتناب کرنا چاہیے، تاکہ ان کے اندر خود سے اپنی غلطی کا احساس ابھرے اور وہ اس کو ایک غلط کام سمجھ کر چھوڑ دیں۔ رسول اللہ ﷺ کے خادم خاص حضرت انسؓ دس سال کی عمر سے لے کر بیس سال کی عمر تک آپ کی خدمت میں رہے۔ بچپن سے لے کر جوانی تک کے اس پورے دور کے

---

[1] مقدمہ ابن خلدون، فصل فی ان الشدۃ علی المتعلّمین مضرۃ بھم، ج ۲، ص ۱۴۱

بارے میں وہ فرماتے ہیں:

"میں نے دس برس آپ ﷺ کی خدمت کی، لیکن آپ ﷺ نے کبھی ڈانٹ ڈپٹ نہیں کی اور نہ کبھی آپؐ نے مجھ سے یہ فرمایا کہ تم نے فلاں کام کیوں کیا؟ اور فلاں کام کیوں نہیں کیا؟" [1]

وہ اپنے بچپن کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے مجھے ایک ضرورت سے بھیجا۔ میرا ارادہ گو وہاں جانے کا تھا، لیکن میں نے کہہ دیا کہ قسم خدا کی، میں نہیں جاؤں گا۔ پھر وہاں سے نکل کر میں چند لڑکوں کے پاس پہنچ گیا، جو راستہ میں کھیل رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد رسول اللہ ﷺ پیچھے سے پہنچے اور دست مبارک سے میری گردن کو پکڑ لیا۔ پلٹ کے دیکھا تو آپؐ مسکرا رہے تھے۔ فرمایا: بیٹے انس! جس کام کے لیے میں نے تمہیں بھیجا تھا تم وہاں گئے یا نہیں؟ میں نے عرض کیا، حضور! ابھی جا رہا ہوں۔ [2]

روایات میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت حسنؓ نے صدقہ کی کھجوروں میں سے ایک کھجور منہ میں ڈال لی تو آپؐ نے فرمایا: چھی چھی! اسے تھوک دو۔ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ ہم صدقہ والی چیز نہیں کھاتے۔ [3]

حضرت عمر بن ابی سلمہؓ رسول اللہ ﷺ کے پروردہ تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ آپؐ کی گود میں میری پرورش ہوئی۔ ایک مرتبہ میں آپ کے ساتھ کھانا کھا رہا تھا (جیسے عام طور پر بچوں کی عادت ہوتی ہے) میں برتن کے چاروں طرف سے کھانے لگا۔ آپ نے فرمایا: "بیٹے! اللہ کا نام لے کر کھاؤ، دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے سامنے سے کھاؤ۔" فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میرے

---

[1] بخاری، کتاب الوصایا، باب استخدام الیتیم فی السفر والحضر۔ مسلم: کتاب الفضائل، باب کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احسن الناس خلقا

[2] مسلم: کتاب الفضائل، باب کان رسول اللہ احسن الناس خلقا

[3] بخاری: کتاب الزکوۃ، باب مالا یذکر فی الصدقۃ للنبیؐ وآلہ

کھانے کا طریقہ یہی رہا۔ [۱]

بہت سے لوگ بچوں کو ان کی خامیوں پر سرے سے ٹوکتے ہی نہیں، بلکہ ان کی بڑی سے بڑی غلطی کو بھی کم سنی اور نادانی کا نتیجہ سمجھ کر نظر انداز کر جاتے ہیں۔ یہ طریقہ صحیح نہیں ہے۔ اس سے بچہ کے اندر بری عادتیں جڑ پکڑنے لگتی ہیں، جن کا چھڑانا بعد میں مشکل ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے ان حدیثوں میں ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بچوں میں جب بھی کوئی غلطی دیکھی تو پیار اور محبت سے اس پر انہیں ٹوکا اور بچپن ہی سے انہیں اسلامی آداب کا پابند بنایا۔

وقتِ ضرورت سختی بھی کی جائے

اسی طرح بچوں کی تعلیم و تربیت کے سلسلے میں بعض لوگ سختی کا رویہ بالکل پسند نہیں کرتے۔ ان کے نزدیک تربیت کے لیے بچے کو جسمانی سزا دینا معاشرہ کے نچلے اور متوسط طبقوں کا طریقہ ہے۔ اونچے طبقے میں بچے سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو اس کو جسمانی سزا نہیں دی جاتی، بلکہ افہام و تفہیم سے کام لیا جاتا ہے۔ اگر اس سے وہ اصلاح قبول نہ کرے تو ڈانٹ ڈپٹ اور سرزنش کی جاتی ہے۔ مار پیٹ کسی حال میں نہیں کی جاتی۔

اسلام جسمانی سزا کو ہر حال میں غلط نہیں سمجھتا اور نہ یہ اس کے نزدیک کسی فرد یا معاشرہ کے مہذب ہونے کی نشانی ہے کہ وہ بچوں کو غلطی سے روکنے یا ان کی تربیت کے لیے سختی سے کام نہ لے۔ اس کی تعلیم یہ ہے کہ بچے کی اصلاح و تربیت لطف و محبت اور ہم دردی ہی سے ہونی چاہیے، لیکن اگر اس سے اس کی اصلاح نہ ہو سکے تو والدین کو اس کے ساتھ سختی بھی کرنی چاہیے۔ ع درشتی و نرمی بہم در بہ است۔ ہاں سختی نہ تو بے ضرورت ہونی چاہیے اور نہ حد سے زیادہ۔

تربیت ہی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ بیوی بچوں کے ساتھ ایسا رویہ نہ اختیار کیا جائے کہ وہ نڈر اور بے خوف ہو جائیں اور ان کو غلط روی سے روکنا مشکل ہو جائے۔ احادیث میں

۱؎ بخاری، کتاب الاطعمۃ، باب التسمیۃ علی الطعام والاکل بالیمین

آتا ہے کہ آدمی کو ایک طرف تو اپنے متعلقین کی مادی ضروریات کے پورا کرنے میں فراخ دل ہونا چاہیے، دوسری طرف سختی سے ان کی اخلاقی نگرانی بھی اسے مسلسل کرتے رہنی چاہیے۔ چناں چہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

و انفق علیٰ عیالک من طولک و لاَ ترفع عنهم عصاک أدباً و اخفهم فی اللّٰه[1]	اپنے بال بچوں پر اپنی دولت میں سے خرچ کرو اور ان کے ادب کی خاطر اپنی چھڑی ان پر سے نہ ہٹاؤ اور اللہ کے بارے میں ان کو خوف دلاؤ۔

یہی بات ان الفاظ میں بھی کہی گئی ہے:

علّقوا السوط حیث یراہ أهل البیت فانه أدب لهم[2]	اپنا کوڑا ایسی جگہ لٹکاؤ کہ گھر والے اس کو دیکھ سکیں۔ اس لیے کہ یہ ان کو ادب دینے کا ذریعہ ہے۔

والدین کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اولاد کو بچپن ہی سے نماز کا عادی بنائیں اور اس سلسلے میں ان سے کوتاہی ہو تو سختی کریں:

مُرُوْا اولَادکم بالصلوٰة وهم أبناء سبع سنین، واضربوهم علیها وهم أبناء عشر[3]	بچے سات سال کے ہو جائیں تو ان کو نماز کا حکم دو اور جب وہ دس سال کی عمر کو پہنچ جائیں اور نماز نہ پڑھیں تو ان کو مارو۔

احکام دین میں چوں کہ نماز کی اہمیت سب سے زیادہ ہے، اس لیے خصوصیت سے یہاں اس کا ذکر کیا گیا ہے، ورنہ جیسا کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ روزہ کا بھی یہی حکم ہے[4]

مطلب یہ کہ ماں باپ کو صرف ایک نماز ہی کی نہیں روزے کی بھی بچے کو تلقین اور نصیحت کرنی چاہیے اور بچہ غفلت اور تساہلی کا مظاہرہ کرے تو اس کے ساتھ سختی بھی کی جانی

---

[1] مسند احمد: ۵/ ۲۳۸

[2] قال الھیثمی رواہ الطبرانی فی الکبیر والاوسط.....واسناد الطبرانی فیھما حسن (مجمع الزوائد و منبع الفوائد: ۸/ ۱۰۶)

[3] مسند احمد: ۲/ ۱۸۰، ۱۸۷۔ ابوداؤد، کتاب الصلوٰة، باب متی یومر الغلام بالصلاة۔ اس حدیث میں کسی قدر ضعف ہے، لیکن اسی مضمون کی اور روایتیں ابوداؤد اور ترمذی میں موجود ہیں۔

چاہیے۔ یہی حال دوسرے احکام دین کا بھی ہے۔ شریعت نے ان میں سے جس حکم کو جتنی اہمیت دی ہے اتنی اہمیت بچے کے سامنے آتی رہنی چاہیے اور اس کا اسے پابند بنانے کی کوشش بھی نرمی اور سختی دونوں طریقوں سے کی جانی چاہیے، تاکہ دین اور اس کی تعلیمات اس کے لیے نامانوس نہ ہوں اور جوان ہونے کے بعد اچانک ان پر عمل کرنا اس پر شاق نہ گزرے۔ اس بارے میں فقہاء کے خیالات کی ترجمانی ابن کثیرؒ نے ان الفاظ میں کی ہے: "نماز کے بارے میں بچوں کے ساتھ جو رویہ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہی رویہ روزے کے سلسلے میں بھی اختیار کیا جانا چاہیے، تاکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت کرتے ہوئے بچہ جوانی کے مرحلے میں قدم رکھے اور معاصی سے اجتناب اور منکرات سے پرہیز کا وہ عادی ہو چکا ہو۔" [۲]

اولاد کی تعلیم وتربیت پر خصوصی توجہ چاہیے

والدین پر اولاد کی تعلیم وتربیت فرض ہے، اس لیے شریعت نے ان کو تذکیر ونصیحت کے ساتھ اس بات کا بھی حق دیا ہے کہ وہ وقتِ ضرورت تنبیہ وتادیب بھی کریں۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ "آدمی بچے کو ادب سکھانے اور تربیت دینے میں جو سختی کرے اس کا اس پر کوئی گناہ نہ ہوگا۔" [۳]

اسی وجہ سے فقہاء نے لکھا ہے کہ باپ بچے کو قرآن مجید کے پڑھنے، علم دین حاصل کرنے اور اسلامی آداب واطوار کے سیکھنے پر مجبور کرسکتا ہے۔ اس کا اسے حق حاصل ہے۔ [۴]

حضرت سفیان ثوریؒ کہتے ہیں کہ آدمی کو چاہیے کہ اولاد کو علم حدیث حاصل کرنے پر مجبور کرے، اس لیے کہ اس سے قیامت کے دن اولاد کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ (اس

---

[۱] ابن عابدین، ردالمحتار علی الدر المختار، ۳/۲۶۱۔

[۲] ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم: ۴/۳۹۱

[۳] مختصر کنز العمال علی ہامش المسند: ۶/۴۳۶

[۴] ابن عابدین، ردالمحتار علی الدر المختار ۳/۲۶۱

نے ان کو تعلیم دی تھی یا نہیں)[۱]

اسی طرح اسلام پورے معاشرے کے اندر ایک خاص طرح کی تہذیب و معاشرت کو پروان چڑھاتا ہے، جس میں شرم و حیا اور عفت و عصمت کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ بچے کو شروع ہی سے ان اخلاقی قدروں کی تربیت دی جائے اور اس کے ذہن و مزاج میں ان کو پیوست کر دیا جائے۔ چناں چہ ایک جگہ آدابِ معاشرت کی تعلیم دیتے ہوئے قرآن مجید نے ہدایت کی کہ نماز فجر سے پہلے دوپہر کے وقت، جب کہ آدمی تھوڑا سا آرام کرتا ہے اور عشاء کے بعد نابالغ بچوں کو بھی گھر (یا کمرے) میں اجازت لے کر داخل ہونا چاہیے۔ (النور: ۵۸) اس لیے کہ یہ اوقات خلوت کے ہیں، ان میں ستر کی پوری احتیاط نہیں ہوتی۔ اس لیے اس بات کا اندیشہ ہے کہ بچہ بے ستری کی حالت میں آدمی کو دیکھ لے۔ پھر یہی اوقات بالعموم جنسی تعلقات کے بھی ہوتے ہیں۔ ان تعلقات کو پوشیدہ رہنا چاہیے۔ کسی نابالغ بچے پر بھی ان کا ظاہر ہونا صحیح نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بچوں کو اس طرح کی تربیت دی جائے اور ان کو اس کا عادی بنایا جائے کہ وہ خلوت کے اوقات میں آدمی کے کمرے میں بے تحاشا نہ گھس پڑیں، بلکہ اجازت لے کر اندر آئیں۔

احادیث میں آتا ہے کہ بچہ جب دس سال کا ہو جائے تو اسے اپنے ساتھ نہ سلایا جائے اور اس کا بستر الگ کر دیا جائے۔[۲] اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ عمر جنسی بیداری کی ہوتی ہے۔ اس میں بچہ کا ماں باپ کے ساتھ سونا مناسب نہیں ہے۔

اسلام میں تعلیم و تربیت کا کوئی محدود تصور نہیں ہے۔ اس میں کتاب و سنت کی تعلیم اور اس کے مطابق ذہن و فکر کی تعمیر کے ساتھ ان علوم و فنون کی تعلیم بھی شامل ہے جن کی کسی بھی زمانے میں ایک مرد مومن کو ضرورت پڑ سکتی ہے۔ حدیثوں میں ہدایت کی گئی ہے کہ اولاد کو تیرا کی

۱؎ ابن قیم: تحفۃ المودود باحکام المولود، صفحہ ۱۳۴

۲؎ ابوداؤد: کتاب الصلوٰۃ، باب متیٰ یومر الغلام بالصلوٰۃ

اور تیراندازی کی تعلیم دی جائے[۱] حضرت عمرؓ نے حضرت ابوعبیدہؓ کو لکھا کہ "تم لوگ اپنے بچوں کو تیرا کی اور گھڑ سواری سکھاؤ اور ضرب الامثال اور اچھے شعر یاد کراؤ۔"[۲]

تیرا کی صحت اور تندرستی ہی کے لیے مفید نہیں ہے، بلکہ اس سے آدمی میں خطرات کے مقابلہ کی عادت بھی پیدا ہوتی ہے۔ گھڑ سواری، شمشیر زنی اور تیراندازی کو دورِ اوّل کے وسائلِ جنگ میں بنیادی اہمیت حاصل تھی۔ اس لیے ان کی تعلیم پر خصوصیت سے زور دیا گیا ہے۔ ضرب الامثال اور اچھے اشعار کی قدر و قیمت زبان و بیان اور ادب ہی کے نقطۂ نظر سے نہیں ہے، بلکہ ذہن و مزاج کی تعمیر اور سیرت و کردار کی اصلاح میں بھی ان کا بڑا دخل ہے۔ لہٰذا ان کو بھی بچوں کی تعلیم کا جز بنانے کی ہدایت کی گئی ہے۔

آج کے تمدنی، معاشرتی اور سیاسی حالات دورِ اول کے حالات سے مختلف ہیں، اس لیے ان میدانوں میں وہ قدیم علوم و فنون کارآمد نہیں ہو سکتے جو دورِ اول میں کارآمد تھے۔ اب ان جدید علوم و فنون کی تعلیم دینی ہوگی جن کے ذریعہ بچے کی صحیح نشو و نما بھی ہو سکے، اس کے اندر اعلیٰ اخلاقی اوصاف بھی پیدا ہوں اور وہ اس قابل بھی ہو سکے کہ اسلام کی حریف طاقتوں کا آسانی سے مقابلہ کر کے اسلام کی آفاقیت اور برتری کو دنیا سے منوا سکے۔

---

۱ اس مضمون کی کئی روایتیں آئی ہیں ملاحظہ ہو مختصر کنز العمال: ۶/ ۴۳۴

۲ حوالہ سابق ۴۳۶۔ اس موضوع کی مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو راقم کی کتاب 'صحت و مرض۔ اسلامی تعلیمات میں' باب اول، ص ۱۷۶-۲۱۱، ناشر: مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی-۲۵

فہرست مراجع

اس کتابچہ میں قرآن مجید، صحاح ستہ اور مسند احمد کے ساتھ درج ذیل تصنیفات کے حوالے آئے ہیں:

تفسیر

- ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، دار المعرفۃ بیروت لبنان، ۱۹۶۹ء
- آلوسی، روح المعانی، ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ، مصر

حدیث

- ہیثمی، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد
- مناوی، التیسیر بشرح الجامع الصغیر، دار الطباعۃ العامرۃ، مصر
- علی المتقی الہندی، کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال۔ مؤسس الرسالہ بیروت ۱۹۸۹ء مختصر کنز العمال علی ہامش مسند الامام احمد

فقہ

- ابن قیم، تحفۃ الودود باحکام المولود
- ابن عابدین، ردالمحتار علی الدر المختار، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

مقدمہ تاریخ

- ابن خلدون، المقدمۃ، مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ، بیروت ۱۹۹۷ء

صحت ومرض

- صحت ومرض اور اسلامی تعلیمات، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی-۲۵